امام ترمذیؒ

۲۰۹ھ تا ۲۷۹ھ

جناب عبدالرشید عراقی

نام و نسب محمد نام، ابوعیسیٰ کنیت۔ قبیلہ بنو سلیم سے تعلق رکھتے تھے۔ ۲۰۹ھ میں ترمذ میں پیدا ہوئے۔[1]

تحصیلِ علم امام ترمذی جس دور میں پیدا ہوئے، اس زمانے میں علمِ حدیث اکنافِ عالم میں پھیل چکا تھا۔ خراسان اور ماوراء النہر کو تو مرکزی حیثیت حاصل تھی۔ حضرت امام نے جب ہوش سنبھالا، تو انہیں علمِ حدیث کی تحصیل کا شوق دامن گیر ہوا۔ چنانچہ آپ نے تحصیلِ حدیث کے لیے مختلف ملکوں کا سفر کیا۔

حافظ ابن حجر لکھتے ہیں:

"کہ آپ نے خراسان، عراق اور حجاز کا سفر کیا۔"[2]

اساتذہ و شیوخ امام ترمذی نے اپنے زمانے کے مشہور اساتذہ سے استفادہ کیا جو اپنے فن میں اساطین تھے۔ تاہم اُن کے مشہور اساتذہ و شیوخ یہ ہیں۔ امام بخاریؒ، امام مسلمؒ، امام ابوداودؒ

---

[1] معجم البلدان ج ۲ ص ۳۸۲

[2] تہذیب التہذیب ج ۹ ص ۳۸۹

علی بن حجر مروزی، قتیبہ بن سعید اور امام محمد بن بشار۔ البتہ سب سے زیادہ استفادہ امام ترمذی نے امام بخاریؒ سے کیا۔ علامہ ذہبی نے لکھا ہے:

"تفقہ فی الحدیث بالبخاری"[1]

امام بخاریؒ کو بھی اپنے لائق شاگرد پر ناز تھا، اور آپ نے ان الفاظ میں یہ سند عطا فرمائی:

"ما انتفعت بک اکثر مما انتفعت بی"[2] یعنی

جتنا فائدہ آپ نے مجھ سے حاصل کیا اُس سے زیادہ میں نے آپ سے حاصل کیا۔

اور مولانا سید انور شاہ کشمیری (م ۱۳۵۲ھ) فرماتے ہیں۔

اس کا مطلب یہ ہے کہ ذہین شاگرد جب استاد سے سوال کرتا ہے تو اس کی نگاہ دیگر وسیع تر علوم کی طرف جاتی ہے[3]

شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی (م ۱۲۰۹ھ) فرماتے ہیں:۔

"ترمذی شاگرد رشید بخاری است، و روش او را آموختہ و از مسلم و ابی داؤد، و شیوخ ایشان نیز روایت دارد۔ و در بصرہ و کوفہ و واسط و رے و خراسان و حجاز سالہا در علم حدیث بسر بردہ"[4]

تلامذہ | قابلِ قدر اور ممتاز اساتذہ و شیوخ کی طرح آپ کے تلامذہ بھی قابلِ قدر اور ممتاز علمی مقام کے حامل تھے۔ چند مشہور تلامذہ یہ ہیں:۔

ابو حامد احمد بن عبد مروزی، ہیثم بن کلاب شاشی، ابو العباس احمد محمد بن محبوب المروزی، احمد بن یوسف نسفی، محمد بن محمود اور داؤد بن نصر مروزی[5]

قوتِ حفظ میں انتہا | اللہ تعالیٰ جب کسی سے کوئی بڑا کام لینا چاہتا ہے تو اس کے اسباب بھی پیدا کر دیتا ہے۔ حضرت امام ترمذی کو جس طرح اکابر محدثین سے استفادہ کا موقع ملا، ویسے ہی خداداد قوتِ حفظ

---

[1] تہذیب التہذیب ج ۹ ص ۳۸۹۔ [2] ایضاً۔

[3] العرف الشذی ص ۲۸۔ [4] بستان المحدثین ص ۱۲۔

[5] محدثین عظام اور ان کے علمی کارنامے۔ ص ۱۹۶۔

بھی عطا کی گئی تھی۔

شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی اُن کے حافظہ کے سلسلہ میں یہ عجیب وغریب حکایت بیان کرتے ہیں کہ:۔

"ایک دفعہ مکہ معظمہ کے راستہ میں ایک شیخ مل گئے۔ اُن سے حدیث کے دو اجزاء سُن کر نقل کر لیے تھے۔ لیکن عرض و قرأت کی فرصت میسر نہیں ہوئی تھی۔ ان سے سماع کی درخواست کی جو انہوں نے منظور کر لی۔ انہوں نے فرمایا۔ دونوں جزء لیتے آؤ تاکہ تمہیں ان سے مقابلہ کرنے میں آسانی ہو۔ اب سوءِ اتفاق یہ کہ وہ دونوں جزء گم ہو چکے تھے۔ مجبوراً خالی ہاتھ جا کر تلامذہ کے حلقہ میں بیٹھ گئے۔ شیخ نے حدیث بیان کرنا شروع کی۔ اچانک اُن کی نظر جو پڑی تو کیا دیکھتے ہیں کہ یہ سفید کاغذ ہاتھ میں لیے حدیث سُن رہے ہیں۔ شیخ اس پر بگڑے کہ تم ہم سے مذاق کر رہے ہو۔ مرقومہ جزء کہاں ہیں۔ امام ترمذی نے فرمایا کہ حضور وہ تو گم ہو گئے ہیں، البتہ وہ حدیثیں لوحِ قلب پر مرتسم ہیں۔ اور مرتسم بھی ایسی کہ کاغذ کا کیا حوصلہ جو ان کو یوں سینے میں محفوظ رکھ سکے۔ شیخ نے کہا۔ اچھا سُناؤ۔ چنانچہ امام ترمذی نے فرفر وہ دونوں جزء سُنا دیئے۔ اس پر شیخ کو حیرت ہوئی۔ انہوں نے کہا ممکن ہے یہ احادیث تمہیں پہلے سے یاد ہوں۔ امام ترمذی نے فرمایا، ہاتھ کنگن کو آرسی کیا، ابھی سبھی اسی نشست میں امتحان ہو جائے۔ اس پر شیخ نے ۴۰ احادیث ایسی منتخب کیں جو دوسروں کے پاس نہیں ہو سکتی تھیں۔ وہ سُنائیں اور اعادہ کا مطالبہ کیا۔ امام ترمذیؒ نے پورے اسناد کے ساتھ من وعن سب احادیث سُنا دیں۔ اس پر شیخ کو اُن کے غیر معمولی حافظہ پر تعجب ہوا۔[1]"

زہد و تقویٰ | زہد و تقویٰ میں ایک ممتاز مقام کے حامل تھے۔ حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی فرماتے ہیں کہ:۔

"تورع در زہد بحدسے داشت کہ فوق آں متصور نیست۔ بخوفِ الٰہی بسیار گریہ زاری کرد و نابینا شد۔[2]"

---

[1] بستان المحدثین ص ۱۲۱ [2] ایضاً ص ایضاً

"یعنی زہد وتقویٰ اس درجہ کا حاصل تھا کہ اس سے زیادہ کا تصور ہی نہیں کیا جا سکتا ، اور خوفِ الٰہی سے بکثرت گریہ وزاری کیا کرتے تھے ، یہاں تک کہ آنکھوں کی بینائی جاتی رہی۔"

بعض حضرات کی رائے ہے کہ امام ترمذیؒ مادرزاد اندھے پیدا ہوئے تھے ، لیکن حافظ ابن حجرؒ نے اس کی تردید کی ہے۔[۱]

خدا کا یہ ڈر ، خشیتِ الٰہی کا یہ انداز ، محدثین کے مقام کو اتنا اونچا کر دیتا ہے کہ عام مصنفین وہاں تک نہیں پہنچ پاتے ، جو لوگ اللہ سے اس طرح کا معاملہ رکھتے ہوں - وہ حدیث کی صیانت وحفظ ، اور اشاعت میں کتنے محتاط اور ذمہ دار ہوں گے ، اس کا احساس ان لوگوں کو نہیں ہو سکتا جو علم کے ساتھ عمل کو ضروری نہیں سمجھتے ، نیز جو قرآن پڑھتے ہیں ۔ اور اس کے علوم ومعارف کی اشاعت کا دم بھی بھرتے ہیں ، مگر اللہ کے ساتھ کبھی انہوں نے لو نہیں لگائی - اس کے ساتھ محبت وسوز کے مراسم نہیں پیدا کیے ، اس کے لیے دلوں میں گداز کی کیفیتیں نہیں پیدا کیں ، اور کبھی اللہ کے ڈر کا تصور کر کے اپنے اوپر کپکپی طاری نہیں کی۔

ایک ضروری وضاحت ترمذی کے نام سے [illegible] میں تین حضرات مشہور ہیں - اس لیے اکثر لوگ مغالطے میں پڑ جاتے ہیں - حالانکہ تینوں کے درجات مختلف [illegible] -

۱ - امام ابو عیسیٰ ترمذی صاحب سنن ہیں -

۲ - ابو الحسن احمد بن حسن - یہ ترمذی کبیر کے لقب سے مشہور ہیں ، اور امام احمد کے تلامذہ میں سے ہیں -

۳ - حکیم ترمذی صاحب نوادر الاصول -

تصانیف امام صاحب کی تصانیف حسبِ ذیل ہیں :-

جامع ترمذی - کتاب العلل - المفرد - التاریخ - الزہد - الشمائل - الاسماء والکنیٰ - کتاب التاریخ۔[۲]

شمائل الترمذی یہ مقدس کتاب جناب رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی نشست وبرخاست ، کھانے پینے ، رہنے سہنے ، سلام ، کلام ، لباس کی وضع قطع ، کنگھی کرنے ، موزے پہننے ، اور لوگوں کے ساتھ ملنے جلنے

---

[۱] تہذیب التہذیب ج ۹ ص ۳۸۸ -

[۲] تدریب الراوی ص ۲۶۰ فہرست ابن ندیم ص ۲۸۹ -

اور عام اخلاق کی حدیثوں کی جامع کتاب ہے۔ عاشقانِ سیرتِ نبوی کے لیے یہ کتاب گنجینہ مراد ہے۔ مسلمانوں کا تو فرض ہے کہ اپنے اخلاق، عادات، لباس، نشست و برخاست، کھانے پینے، سلام کلام میں رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا اپنے کو ہم رنگ بنائیں جس سے موجودہ نکبت دور ہو، اور دنیا اخلاقِ محمدی کا نمونہ دیکھ کر گرویدۂ اسلام ہو جائے۔[۱]

علامہ جزری صاحبِ "حصن حصین" کتاب الشمائل کی مدح میں فرماتے ہیں کہ:

اخلای ان شط الحبیب و ربعه
وعز تلاقیه وناء مناں له
فان فاتکم ان تبصروه بعینه
فما فاتکم بالسمع عندی شمائله

میرے دوستو! محبوب اور اس کا مکان تم سے دور ہو گیا اور ملاقات مشکل ہو گئی۔ پس آنکھ کی ملاقات نصیب نہیں تو اس کے اخلاق و شمائل کا سننا نہیں گیا۔[۲]

جامع الترمذی حدیث کی جس کتاب میں آٹھ قسم کے مضامین بیان کیے جائیں، اس کو جامع کے لقب سے یاد کیا جاتا ہے۔ اور وہ آٹھ قسم کے مضامین جامع یہ ہیں:-

۱- سیر، ۲- آداب، ۳- تفسیر، ۴- عقائد، ۵- فتن، ۶- احکام، ۷- اشراط ۸- مناقب-

چونکہ ترمذی ان آٹھوں قسم کے مضامین پر مشتمل ہے، اس لیے اس کو جامع کہا جاتا ہے اور چونکہ ترتیبِ فقہی کے اعتبار سے زیادہ تر احکام کی احادیث لائے ہیں، اس لیے اس پر "سنن" کا اطلاق بھی ہوتا ہے۔ چنانچہ پہلے کتاب الطہارت لائے ہیں، اس کے بعد کتاب الصلوٰۃ۔ پھر زکوٰۃ و صوم وغیرہ۔

ترمذی کی خصوصیات امام ترمذی فرماتے ہیں کہ اس کتاب کو لکھ کر میں نے علمائے حجاز کے سامنے پیش کیا تو انہوں نے اس کو پسند فرمایا۔ اور علمائے خراسان کے سامنے پیش کیا تو انہوں نے تحسین فرمائی، اور سب نے بیک زبان ہو کر یہ فیصلہ دیا کہ:

---

[۱] سیرۃ البخاری ص ۲۵۴۔ [۲] ایضاً۔

"جس گھر میں یہ کتاب ہو گویا اُس میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم گفتگو فرما رہے ہیں"۔[۱]

حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی فرماتے ہیں کہ:۔

"ترمذی کی جامع ان کی کتابوں میں سے بہتر تصنیف ہے"۔[۲]

امام ابو اسمٰعیل عبداللہ بن محمد انصاری ہروی فرماتے ہیں کہ:۔

"میرے نزدیک ترمذی کے فوائد بخاری و مسلم سے زیادہ انفع ہیں۔ کیونکہ بخاری و مسلم سے فائدہ صرف عالم متبحر ہی اُٹھا سکتا ہے۔ اور امام ابو عیسٰی کی کتاب سے ہر شخص مستفید ہو سکتا ہے"۔[۳]

بڑی بڑی خصوصیات یہ ہیں:۔

۱۔ ترتیب نہایت سادہ اور سہل، کہیں تکرار یا اعادہ نہیں۔

۲۔ وقت کے تمام فقہی مذاہب کی ترجمان، اُن کے دلائل، اور وجوہِ استدلال کا تذکرہ اور اپنی رائے کا اظہار۔

۳۔ انواع حدیث کی وضاحت، یعنی کہ یہ حدیث کیسی ہے، یعنی صحیح، حسن، ضعیف، غریب، معطل، مرسل وغیرہ درجات کی وضاحت۔

۴۔ راویوں کے نام، ان کی کیفیات اور القاب کا استیعاب، پھر رجال کے متعلق، فوائد علمیہ کا بیان اور تفصیل۔

۵۔ ترتیب کی یہ خوبی کہ وہ شخص بھی استفادہ کر سکے جو مرتبۂ اجتہاد پہ فائز ہے اور وہ بھی جو عامی ہے۔[۴]

جامع ترمذی کی شروح و حواشی جامع ترمذی کی اہمیت اور افادیت کے پیش نظر علماء اور محدثین نے اس کے ساتھ پورا اعتناء کیا ہے۔ اور اس کی متعدد شروح، حواشی اور مستخرجات لکھے ہیں۔

---

[۱] تذکرۃ الحفاظ ج ۲ ص ۲۰۸ [۲] بستان المحدثین ص ۱۲۰ [۳] تدریب الراوی ص ۵۵

[۴] اب یہاں یہ وضاحت بھی ضروری ہے کہ امام ترمذی کا مسلک کیا ہے۔ مولانا سید انور شاہ صاحب کشمیری (م ۱۳۵۲ھ) فرماتے ہیں کہ "امام ترمذی شافعی مسلک کے تھے"۔ (العرف الشذی ص ۴) (باقی حاشیہ بر صفحہ آئندہ)

مولانا عبدالسلام مبارکپوری (م ۱۳۴۲ھ) نے جامع ترمذی اور شمائل ترمذی کی ۱۳ شروح کا ذکر کیا ہے[1]۔ چند ایک مشہور شروح یہ ہیں:

۱۔ عارضۃ الاحوذی فی شرحِ جامع ترمذی از ابن العربی مالکی (م ۵۴۶ھ)

۲۔ اللب اللباب فیما یقول الترمذی وفی الباب از ابن حجر عسقلانی (م ۸۵۲ھ)

۳۔ قوت المغتذی علی جامع الترمذی از امام جلال الدین السیوطی (م ۹۱۱ھ)

۴۔ شرح الجامع الترمذی از امام ابن حجر عسقلانی (م ۸۵۲ھ)[2]

۵۔ شرح الجامع الترمذی از ابوالحسن بن عبدالہادی السندی المدنی (م ۱۱۳۹ھ)[3]

برصغیر پاک وہند میں الجامع الترمذی کے شروح و حواشی

برصغیر پاک وہند میں جید علمائے کرام نے الجامع الترمذی کے شروح و حواشی لکھے ہیں۔ جہاں تک مجھے اس سلسلہ میں رسائی ہو سکی ہے، تفصیل حسب ذیل ہے:

۱۔ ہدایۃ اللوذعی بنکات الترمذی (عربی) از علامہ شمس الحق ڈیانوی (م ۱۳۲۹ھ) غیر مطبوعہ۔ اس شرح میں علاوہ متن کے اسانید کے متعلق بڑی نفیس تحقیقات لکھی گئی ہیں[4] اور مشکل مقامات کا حل بڑی تفصیل سے

(بقیہ حاشیہ صفحہ سابقہ) اوپر آپ پڑھ چکے ہیں کہ امام ترمذی امام بخاری کے ارشد تلامذہ میں سے تھے، اس لیے اُن پر مجتہدانہ رنگ غالب تھا۔ اور امام ترمذیؒ کے اس قول سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے جسے وہ اکثر استعمال کرتے ہیں۔ یعنی "عند اصحابنا"

حضرت شاہ ولی اللہ دہلوی فرماتے ہیں کہ: "محدثین کا کسی امام کی کثرتِ موافقت کی وجہ سے اسی مذہب کی طرف انتساب کیا جاتا ہے۔"

اور اس قول سابقہ متعلقہ کتب سے اس کا بھی ثبوت ملتا ہے کہ امام ترمذی نے بعض مسائل میں امام شافعیؒ سے اختلاف کیا ہے اور امام ولی اللہ دہلوی کے قول کی روشنی میں یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ امام ترمذیؒ شافعی نہیں تھے بلکہ مجتہد مطلق تھے۔ (مولفِ مضمون)

[1] سیرۃ البخاری ص ۴۲۳ تا ۴۲۴۔ [2] امام ابن حجر نے فتح الباری میں اس کا تذکرہ کیا ہے۔

[3] سیرۃ البخاری ص ۴۲۷، ۴۲۸ [4] ایضاً ص ۴۲۸

کیا گیا ہے۔[1]

۲۔ تحفۃ الاحوذی فی شرح جامع الترمذی (عربی ۴ جلد) از امام عبدالرحمان مبارک پوری (م ۱۳۵۳ھ)
یہ ایک بہت علمی اور گرانقدر شرح ہے۔ اس شرح میں مصنف علام نے درج ذیل امور کی تفصیل سے نشاندہی کی ہے۔

ا۔ جامع ترمذی کے ہر راوی کا ترجمہ بقدر ضرورت لکھا گیا ہے۔ اور مقدمہ شرح میں تمام راویوں کی فہرست بہ ترتیب حروف تہجی دے دی گئی ہے اور جس راوی کا ترجمہ شرح کے جس صفحہ پر مذکور ہے۔ اس کا نشان دے دیا گیا ہے۔

ب۔ جامع ترمذی کی تمام حدیثوں کی تخریج کی گئی ہے۔ یعنی اس کتاب کی حدیثوں کو امام ترمذی کے علاوہ اور جن محدثین نے اپنی کتابوں میں روایت کیا ہے، ان کا اور ان کتابوں کا نام بتا دیا گیا ہے۔

ج۔ امام ترمذی نے "و فی الباب" کے عنوان سے جن احادیث کی طرف اشارہ کیا ہے، اُن کی مفصل تخریج کی گئی ہے، اور ان احادیث کے الفاظ بھی اکثر مقامات میں نقل کیے گئے ہیں — احادیث مشار الیہ کے علاوہ دیگر احادیث کی تخریج کا بھی جا بجا اضافہ کیا گیا ہے۔

د۔ تصحیح و تحسین حدیث میں امام ترمذی کا تساہل مشہور ہے۔ اس لیے ہر حدیث کی تحسین و تصحیح کے متعلق دیگر ائمہ فن حدیث کے اقوال بھی نقل کیے گئے ہیں، نیز جن احادیث کی تصحیح و تحسین میں امام ترمذی سے تساہل ہوا ہے۔ اُن کی تصریح کر دی گئی ہے۔

ر۔ اسنادی و متنی اشکالات کے حل و ایضاح کی طرف خاص طور پر توجہ کی گئی ہے۔

س۔ احادیث کی توضیح و تشریح میں بہت کچھ تحقیق سے کام لیا گیا ہے۔ جن مقلدین جامدین اور جن اہل ہوا نے احادیث نبویہؐ کو اپنے مذہب و مسلک پر منطبق کرنے کے لیے غلط اور واہی تاویلیں اور تقریریں کی ہیں، ان کی تاویلات و تقریرات کی کافی تغلیط و تردید کر دی گئی ہے۔ احادیث کے صحیح مطالب و مضامین جو سلف صالحین اور فقہاء محدثین کے نزدیک معتمد و مستند ہیں بیان کیے گئے ہیں

[1] ہندوستان میں اہل حدیث کی علمی خدمات ص ۴۵

ص - اختلاف مذاہب کے بیان میں ہر مذہب کے دلائل بیان کر کے مذہب حق وراجح کو ظاہر کر دیا گیا ہے۔ اور اس کی نصرت و تائید کی گئی ہے۔ مذاہب مرجوحہ وغیر صحیحہ کے دلائل کے شافی جواب دیئے گئے ہیں۔

ط - آثار السنن (للشوق النیموی) وغیرہ کی جابجا للطیف اور قابلِ دید تنقید کی گئی ہے[۱]۔

۳ - مقدمہ تحفۃ الاحوذی - مولانا مبارک پوری نے شرح مذکور کا ایک مبسوط مقدمہ بھی تحریر فرمایا ہے جو مستقل طور پر علیحدہ طبع ہو کر شائع ہوا ہے۔ یہ مقدمہ دو باب اور خاتمہ پر مشتمل ہے۔ پہلے باب میں ۴۱ فصلیں ہیں جن میں عام فنونِ حدیث، کتبِ حدیث اور ائمہ حدیث کے متعلق نہایت کار آمد اور ضروری فوائد جمع کر دئے گئے ہیں۔ دوسرا باب ۱۷ فصلوں پر مشتمل ہے جن میں خاص جامع ترمذی اور امام ترمذی کے متعلق بہت ضروری اور غایت درجہ مفید مباحث مذکور ہیں۔ بابِ ثانی جن نادر اور قیمتی فوائد پر مشتمل ہے۔ ان کا جاننا جامعِ ترمذی کے طالب علم کے لیے از بس ضروری ہے۔ ان مباحث کو پڑھے بغیر جامع ترمذی کا پڑھنا اور پڑھانا بے معنی اور لا حاصل ہے۔ مقدمہ میں مختلف مناسبتوں سے ۱۱۵ ائمہ حدیث و تفسیر و فقہ و لغت کے تراجم بھی آگئے ہیں۔ اس کی تمام خوبیوں کا سرسری اندازہ شروع میں ملحقہ فہرست سے ہو جاتا ہے جو ۱۲ صفحات پر مشتمل ہے۔ مقدمہ کا حجم ۲۴۴ صفحات ہے۔ آخر میں مصنّف علام کا مختصر ترجمہ ملحق ہے۔ مکمل شرح مع مقدمہ مبارک پور سے شائع ہوئی تھی[۲] اور اب مستقبل قریب میں اس کا فوٹو ایڈیشن بیروت سے شائع ہوا ہے[۳]۔

۴ - العرف الشذی علی جامع الترمذی (عربی) از مولانا رشید احمد گنگوہی (م ۱۳۲۲ھ) مولانا مرحوم کی تقاریر کا مجموعہ[۴]۔

۵ - الکوکب الدری علی جامع الترمذی (عربی) از مولانا رشید احمد گنگوہی (م ۱۳۲۲ھ)، مولانا مرحوم کی

---

[۱] سیرۃ البخاری ص ۴۳۰

[۲] تحفۃ الاحوذی کی کتابت مولانا محمد ابراہیم کے والد ماجد مولانا محمد اسماعیل السلفی رحمۃ اللہ علیہ (م ۱۳۸۷ھ) سابق امیر جمعیۃ اہل حدیث پاکستان نے کی تھی۔

[۳] سیرۃ البخاری ص ۴۳۱ [۴] دار العلوم دیوبند نمبر ص ۱۵۵

تقاریر درس کا مجموعہ ہے۔[1]

۶۔ العرف الشذی شرح جامع ترمذی از مولانا سید انور شاہ مرحوم (م ۱۳۵۲ھ) کتاب الطہارۃ تک طبع شدہ۔[2]

۷۔ معارف السنن شرح سنن الترمذی (عربی) از مولانا محمد یوسف بنوری (م ۱۳۹۷ھ / ۱۹۷۷ء) یہ جامع ترمذی کی بے نظیر محققانہ شرح ہے۔ ۶ جلدوں میں کتاب المناسک لکھی گئی ہے۔ کتاب الجنائز سے آخر تک کا حصہ باقی رہ گیا ہے۔ عوارف المنن مقدمہ معارف السنن کے نام سے مقدمہ شامل ہے مگر صرف دو تہائی حصہ لکھا گیا تھا کہ شارح کا انتقال ہوگیا۔[3]

۸۔ حاشیہ جامع ترمذی (عربی) از شیخ الہند مولانا محمود الحسن (م ۱۳۳۹ھ)۔[4]

۹۔ النفع الشذی شرح الترمذی (اردو) از مولانا رشید احمد گنگوہیؒ (م ۱۳۲۳ھ) مولانا مرحوم کی تقاریر درس۔[5]

۱۰۔ جائزۃ الشعوزی ترجمہ جامع الترمذی از مولانا وحید الزمان حیدر آبادی (م ۱۳۳۸ھ) یہ جامع ترمذی کی مکمل اور مفصل شرح ہے۔[6]

۱۱۔ ترجمہ جامع ترمذی اردو، از مولانا فضل حق داؤدی مرحوم۔[7]

۱۲۔ ترجمہ ترمذی اردو۔ از مولانا بدیع الزمان حیدر آبادی (م ۱۳۰۴ھ) یہ مولانا وحید الزمان حیدر آبادی کے برادر اکبر تھے۔ (م ۱۳۳۸ھ) ان کا ترجمہ جامع ترمذی کا مکمل اور مفصل ترجمہ مع تشریح ہے۔ اس سے مفصل اور مکمل ترجمہ و تشریح برصغیر میں شائع نہیں ہوا۔[8]

امام ترمذی کی وفات آپ کی وفات ۲۷۹ھ میں ہوئی۔ بوقت وفات آپ کی عمر ۷۰ سال تھی۔[9]

---

[1] دار العلوم دیوبند نمبر ص ۱۵۵ [2] سیرۃ البخاری ص ۱۳۱

[3] بینات اشاعت خاص تیموری نمبر ص ۷۶ [4] دار العلوم دیوبند نمبر ص ۱۵۹ [5] ایضاً

[6] ہندوستان میں علمائے اہل حدیث کی علمی خدمات ۔۔ ص ۴۵

[7] ایضاً ص ۴۵ [8] ایضاً ص ۴۵

[9] اتحاف النبلاء ص ۲۸۷۔